R. No 2186/57

REGD. N.L. 922.

انجمن ترقی اردو (ہند) کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

فون نمبر ۲۹
سالانہ قیمت ۵ روپے
فی کاپی ۱۵ پیسے

تاریخ ہائے اشاعت
۱ - ۸ - ۱۵ - ۲۲

جلد ۲۸ - شمارہ ۱ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | یکم جنوری ۱۹۶۹ء

اداریہ

نیا سال اور پرانا سوال

ہماری زبان کے پڑھنے والوں کو نیا سال مبارک ہو۔

۱۹۶۸ء انسانیت کی تاریخ میں اس لحاظ سے یادگار رہے گا کہ ۲۱ دسمبر کو تین امریکن خلا بازوں نے چاند کے گرد چکر لگانے اور پھر زمین پر واپس آنے کی جو مہم شروع کی تھی وہ ۲۷ دسمبر کو کامیابی سے ختم ہوئی۔ ان خلا بازوں نے زمین کے گرد ایک چکر لگانے کے بعد چاند کا رخ کیا جو زمین سے دو لاکھ تینتیس ہزار آٹھ سو چودہ میل کی دوری پر ہے۔ زمین کی کشش سے آزاد ہونے کے بعد یہ ۲۴ دسمبر کو چاند کی کشش کے دائرے میں داخل ہوئے اور چاند کی دوسری طرف جانے کے بعد اس کے گرد دس چکر لگائے اور اس سے صرف ساٹھ میل کی دوری سے اس کی بہت سی تصویریں لیں۔ اس کے بعد یہ چاند کی کشش سے آزاد ہوئے اور زمین کی طرف واپسی کا آغاز کیا۔ ۲۷ دسمبر کو یہ خلا نورد ہوا کے حلقے کو تقریباً پچیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چیرتے ہوئے، ہندوستانی وقت کے حساب سے رات کے نو بج کر ۲۱ منٹ پر صحیح و سلامت بحرالکاہل میں اتر آئے۔ یہ [illegible] کارنامہ ہے کہ ان خلا بازوں کی جرأت و ہمت اور ان کے عزم و استقلال کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔ اب کچھ مہینوں میں ہم یہ بھی سن لیں گے کہ انسان نے چاند پر قدم رکھ دیا اور ہم سے لاکھوں میل دور چاند واقعی ہمارا ہمسایہ بن گیا۔ یہ سائنس اور انجینیرنگ دونوں کا بہت بڑا کمال ہے اور اس واقعہ سے انسانیت کی تاریخ کا ایک نیا اور عہد آفریں باب شروع ہوتا ہے۔

مگر اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جہاں انسان نے اتنی ترقی کی ہے کہ وہ خلا پر حکمرانی کا آغاز کر رہا ہے، وہاں ابھی تک دنیا کے مسائل کا حل نہیں تلاش کر پایا ہے۔ سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنے والا انسان، زندگی کی شب تاریک کو سحر نہیں کر سکا ہے۔ بڑی طاقتیں ایٹم بموں کے ڈھیر لگانے میں مصروف ہیں اور کسی کی دیوانگی یا غلطی کی وجہ سے دنیا تباہ ہو سکتی ہے۔ دنیا کی آبادی بڑھتی جا رہی ہے اور غذا کا مسئلہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے۔ غریبی، جہالت، بیماری اب بھی عام ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں خوشحالی کا بحران ہے۔ ترقی پذیر ملکوں میں سماجی بے انصافی، اقتصادی بدحالی، معاشرتی انتشار عام ہے۔ بوڑھے اپنے حال میں مست ہیں، جوان برہم ہیں، لوگ اخلاقی قدروں کو طاقت کے نشے میں برابر پامال کر رہے ہیں، تہذیب اور انسانیت کا نام برابر لیا جاتا ہے مگر عمل بربریت اور بہیمیت کا ہوتا ہے۔ تشدد بڑھ رہا ہے، قانون پر سے اعتبار اٹھتا جا رہا ہے۔ ہر شخص اپنی فکر میں ہے۔ دنیا سمٹ کر چھوٹی ہو گئی ہے، مگر لوگ ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ بڑے بڑے غدار شہروں میں لاکھوں کی آبادی ہے، مگر ان شہروں کے باسی اپنے کو تنہا محسوس کرتے ہیں۔ شعور رکھنے والوں کو آئیڈیولوجی میں تسکین نہیں ملتی۔ مذہب و فلسفہ بھی ذہن و دل کو نہیں گرماتا، ماضی میں واپسی ممکن نہیں، حال سے الجھن ہوتی ہے، مستقبل سے ڈر لگتا ہے۔ ان حالات میں آدمی کہاں جائے کیا کرے۔

پھر ہمارے اپنے ملک میں آزادی کے اکیس سال بعد عام آدمی کے لیے حالات بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہو گئے ہیں۔ ویسے ملک نے ترقی کی ہے، قومی دولت میں اضافہ ہوا ہے، نئی نئی صنعتیں قائم ہوئی ہیں۔ بڑے بڑے بند باندھے گئے ہیں۔ برسوں کے بعد غلہ کی پیداوار بڑھی ہے اور غذائی صورت حال قدرے بہتر ہوئی ہے۔ مگر ہماری جمہوریت وظیفۂ لب ہے، دل کی دھڑکن نہیں، ہم سیکولرزم کا نام لیتے ہیں، ہمارا عمل کچھ اور ہے۔ ہم سوشلزم کی منزل کا اعلان کرتے ہیں

مگر ہندوستانی سرمایہ داروں کو ہم نے چھوٹ دے رکھی ہے کہ جو چاہیں کریں۔ ہمارے یہاں بدامنی بڑھ گئی ہے۔ علاقائی پاسداری، لسانی تعصب، مذہبی جنون زوروں پر ہے۔ قومی یکجہتی کے متعلق صرف تقریریں ہوتی ہیں۔ ہم قومی یکجہتی پر اپنے بحث کا خاصا حصہ صرف کر رہے ہیں، مگر ترقی اور یکجہتی دونوں کو مربوط کرنا ہمیں نہیں آیا۔ ہماری ترقیاتی اسکیمیں اوّل تو پوری نہیں ہوتیں اور ہوتی ہیں تو معمولی تاخیر سے۔ ہمارے طلبا میں بڑی بے چینی ہے جس کو ناعاقبت اندیش سیاسی پارٹیاں اور ہوا دے رہی ہیں۔ ہماری یونیورسٹیوں کے کرتا دھرتا انیسویں صدی کے ذہن سے بیسویں صدی کے تعلیمی اداروں کو چلانا چاہتے ہیں۔ ہمارے استادوں کا طلبا سے وہ رابطہ نہیں جو تعلیمی مقاصد کے فروغ اور اعلیٰ سیرتوں کی تشکیل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ ہم جب غذا میں ابھی تک خود کفیل نہیں ہو سکے تو دوسرے معاملات میں کیا ہوں گے۔ ہاں ہم اب بھی باتیں بہت کرتے ہیں، دوسروں کو درس دینا خوب جانتے ہیں، خود عمل کرنا ہمیں نہیں آتا۔ اسٹیٹسمین کے ایک نامہ نگار نے ۱۹۶۸ء کو ہندوستانی سیاسیات کے لحاظ سے (YEAR OF IRRELEVANCE) کہا ہے۔ یعنی ہماری سیاسی پالیسی ابھی تک غیر متعلق، فضول اور بے معنی سی ہے۔ اگر اب بھی ہم سب کو یہ احساس ہو جائے کہ ہم اپنی منزل کے مخالف سمت میں چل کر نہیں پہنچ سکتے، اگر اب بھی ہم میں سے ہر ایک جمہوریت اور سیکولرزم پر خود عمل کرنے لگے اور سوشلزم کی منزل کی طرف واقعی گامزن ہو، اگر اب بھی ہم سب اپنی پوری تاریخ، اپنی مشترک تہذیب اور اپنے دستور کے بنیادی اصولوں کو اپنی زندگی میں رہنما بنائیں، اگر ہم میں خود محنت کرنے اور مشکلات پر قابو پانے کا جذبہ پیدا ہو جائے اور ہم دوسروں کی طرف مدد کے لیے دیکھنا چھوڑ دیں۔ اگر ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایمانداری، دیانت داری، ضبط و نظم، راست بازی اور رواداری برت سکیں تو ۱۹۶۹ء کا سال ہمارے لیے بامعنی اور نتیجہ خیز سال ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس چکر سے جس میں ہم گرفتار ہو گئے ہیں، کوئی اور نہیں نکال سکتا۔ اگر ہم اپنی کوتاہیوں کو سمجھ لیں اور انھیں دور کرنے کی واقعی کوشش کریں تو چاند کو خواہ نہ چھو سکیں مگر زمین پر سیدھے سبھاؤ چلنا ہمیں آ جائے گا اور ہم اپنے ملک کو ترقی کی اس منزل کی طرف لے جا سکیں گے جس کا آزادی کی جد و جہد میں ہم نے خواب دیکھا تھا۔

زاہد شوکت علی کا انتقال

مولانا شوکت علی مرحوم کے صاحبزادے اور مولانا محمد علی جوہر کے بھتیجے اور داماد جناب زاہد شوکت علی کا انتقال ۱۰ دسمبر ۶۸ء کو خلافت ہاؤس بمبئی میں ہو گیا۔ مرحوم مرکزی خلافت کمیٹی کے سکریٹری اور روزنامہ "خلافت" کے ایڈیٹر تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں بیوہ اور ایک صاحبزادے ہیں جو پاکستان میں ہیں۔

(نامہ نگار)

غالب پر انعامی مقابلہ

کلکتہ کارپوریشن ٹیچرس اردو سوسائٹی کی قائم کردہ غالب صد سالہ جشن کمیٹی نے غالب پر مقالہ نگاری کے انعامی مقابلہ کا اعلان کیا ہے جو حضرات اس میں حصہ لینا چاہیں وہ مندرجہ ذیل زبانوں میں دئے ہوئے کسی بھی موضوع پر طبع آزمائی کر سکتے ہیں۔

(۱) بنگالی:- . . . .

(۲) انگریزی:- غالب اور اس کا آرٹ

(۳) ہندی:- غالب اور ان کی رچنائیں

(۴) اردو:- غالب اور ان کے معاصرین

(۵) کسی بھی دوسری زبان میں غالب سے متعلق کسی بھی موضوع پر۔

انعامات بہت زیادہ اور دل آویز ہیں۔

کمیٹی کا فیصلہ ہر صورت میں قابل پابندی اور آخری ہوگا۔ منتخب مقالے شائع بھی کئے جائیں گے۔

مقالے ۱۰ جنوری ۱۹۶۹ء یا اس سے پہلے جوائنٹ کنوینر کے دفتر میں ۱۰/۲ مارکوئیس اسٹریٹ کلکتہ ۱۶ کے پتہ پر پہنچ جانا چاہئیں۔

انعام اللہ خاں شیروانی
منیر احمد
} جوائنٹ کنوینرز ۱۰/۲ مارکوئیس اسٹریٹ کلکتہ ۱۶

جشن شمیم کرہانی

دہلی ۷ دسمبر کی شام کو لکشمی بائی نگر دہلی میں ہندوستان کے مشہور شاعر حضرت شمیم کرہانی کے اعزاز میں فرینڈز ویلفیئر سوسائٹی کی طرف سے ایک شاندار تقریب جشن شمیم کرہانی کے نام سے منعقد ہوئی جس میں موصوف کی حیات، سیرت اور ادبی خدمات کے متعلق مقالات پڑھے گئے اور تقریریں ہوئیں۔ آخر میں مشاعرہ ہوا جس میں جناب فرقت کاکوروی، جناب بشیر جھنجھانوی، جناب رفعت سروش، جناب جاوید وششٹ، جناب انور صدیقی، جناب مخمور سعیدی، جناب رام کرشن مضطر، جناب شہاب جعفری، جناب ساقی لکھنوی، جناب رضا امروہوی، جناب گلزار ہاشمی، جناب عابد کرہانی وغیرہ نے شرکت کی۔ مشاعرہ تقریباً دو بجے رات کو ختم ہوا۔

(نامہ نگار)

ہماری زبان

سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

(منیجر)

فہرست مخطوطات اردو

ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری، کلکتہ

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	لائبریری نمبر
۱۔	احکام النسا	غلام احمد	۴
۲۔	اخلاق ہندی	منشی تاج الدین	۲ ب ۳
۳۔	انوار سہیلی	حسین واعظ کاشفی	۱۲۹
۴۔	آرائش محفل	حیدر بخش حیدری	۱۸
۵۔	آرائش محفل	منشی سبحان رائے	۱۰۸
۶۔	بدر منیر	میر حسن	۱۱۲
۷۔	باغ و بہار	مرزا جان طپش	۴۵۵
۸۔	بہار دانش منظوم	شیخ عنایت اللہ	۸۰
۹۔	بہار عشق	ابو الفیض فیضی	۱۰۹
۱۰۔	بہار عشق	سید منصور علی	۱۱۰
۱۱۔	بیتال پچیسی	مظہر علی خاں ولا	۱۳۰
۱۲۔	پلوزنامہ (کذا)	خیر الدین خاں	۲۲
۱۳۔	حکایت گیتا منظوم	شیخ نظام الدین سکینہ	۱۰۳
۱۴۔	حکومت اسپرکائش	؟	۴۲۸
۱۵۔	جنگ نل	شہاب الدین کوکو	۲۹
۱۶۔	چار گلشن	منشی بینی رائن جہاں	۱۱۱
۱۷۔	چشمۂ فیض ترجمہ پند نامہ عطار (مترجم)		۴۱
۱۸۔	چراغ ایمان	محمد یحییٰ تباحی	۸۲۵
۱۹۔	قرب الاشکال	؟	۲۹
۲۰۔	دہ مجلس	مظہر علی خاں ولا	۲۶
۲۱۔	دہ مجلس منظوم	؟	۴۲
۲۲۔	ذکر شہادتین	احمد خاں صوفی	۱۳۵
۲۳۔	دیوان آبرو	شاہ مبارک آبرو	۱۵۲
۲۴۔	دیوان افسوس	میر شیر علی افسوس	۹
۲۵۔	دیوان افسوس	میر شیر علی افسوس	۴۸
۲۶۔	دیوان احسن	احسن اللہ احسن	؟
۲۷۔	دیوان آصف الدولہ	آصف الدولہ آصف	۹۰
۲۸۔	دیوان بقا	بقا اللہ بقا	۳۵
۲۹۔	دیوان برق	مرزا محمد رضا برق	۴۳۱
۳۰۔	دیوان قدوی	مرزا محمد علی قدوی	۴۳
۳۱۔	دیوان فغاں	اشرف علی خاں فغاں	۱۰۱۴
۳۲۔	دیوان گویا	فقیر محمد خاں گویا	۲۰۵
۳۳۔	دیوان حسن	میر حسن	۳۸
۳۴۔	دیوان انشا	انشاء اللہ خاں انشا	۴۳
۳۵۔	دیوان جہاں	منشی بینی رائن	۵۶
۳۶۔	دیوان جرأت	شیخ قلندر بخش	۹۲۹
۳۷۔	دیوان جرأت	شیخ قلندر بخش	۱۳۱
۳۸۔	دیوان کبیر	کبیر (؟)	۸۸
۳۹۔	دیوان مفتون	میر نظام الدین	۳۰
۴۰۔	دیوان معروف	الٰہی بخش معروف	۱۵
۴۱۔	دیوان قمر	؟	۴۴۳
۴۲۔	دیوان میر درد	میر درد	۳۳
۴۳۔	دیوان میر درد	میر درد	۴۹۵
۴۴۔	دیوان میر تقی میر	میر تقی میر	۲۵۹
۴۵۔	دیوان میر تقی میر	میر تقی میر	۵۹
۴۶۔	دیوان محبت	محبت خاں محبت	۵۱
۴۷۔	دیوان مجرم	رحمت اللہ	۴۴
۴۸۔	دیوان مخلص	؟	۴۳
۴۹۔	دیوان مخلص	محمد حسین خاں مخلص جہانگیر پوری	۹۹۹
۵۰۔	دیوان ناجی	محمد شاکر ناجی	۴۴
۵۱۔	دیوان ناصر	ناصر (؟)	۱۰۲۳
۵۲۔	دیوان نثار	محمد یار خاں نثار	۹۰۸
۵۳۔	دیوان پروانہ	راجہ جسونت سنگھ	۹۲
۵۴۔	دیوان قائم مثنوی	قیام الدین قائم	۹۲
۵۵۔	دیوان قمر	قمر الدین احمد خاں	۱۲۱ یا ۱۲۲
۵۶۔	دیوان قدرت	قدرت اللہ قدرت	۳۳
۵۷۔	دیوان صادق	صادق علی خاں	۹۱۱
۵۸۔	دیوان سودا	مرزا محمد رفیع سودا	۴۰
۵۹۔	دیوان شاد	؟	۴۸۴
۶۰۔	دیوان شاد	ٹھاکر پرشاد لکھنوی	۱۱۰
۶۱۔	دیوان شاہ علی گجراتی	شاہ علی گجراتی	۹۴
۶۲۔	دیوان تجلی	محمد حسین کاشی تجلی	۳۹
۶۳۔	دیوان ولی	ولی اورنگ آبادی	۳۵
۶۴۔	دیوان ولی	ولی اورنگ آبادی	۳۶
۶۵۔	دیوان واقف	نور العین	۴۱
۶۶۔	دیوان ولا	مظہر علی خاں	۵۰
۶۷۔	دیوان یقین	انعام اللہ خاں	۴۲
۶۸۔	فرس نامہ رنگین	سعادت یار خاں رنگین	۶۳
۶۹	فرس نامہ رنگین	سعادت یار خاں رنگین	۵۰۰

اشفاق احمد اعظمی

غزل

تیرگی کا ہر تصور روشنی کا ہے طلسم
ہر وجود اپنی جگہ خود آگہی کا ہے طلسم

ہر نفس مر مر کے جینے کی ہے پیہم کوششیں
موت سے جہد مسلسل زندگی کا ہے طلسم

ذرہ ذرہ کے چمکنے کا عجب انداز ہے
چپہ چپہ سے عیاں ہاں ساحری کا ہے طلسم

سامنے آنکھوں کے ننگی ناچتی ہے مصلحت
اب جہاں میں جو بھی ہے فرزانگی کا ہے طلسم

اپنا دامن پھاڑیئے کیجیے گریباں چاک چاک
تاکہ دنیا دیکھ لے کیا آدمی کا ہے طلسم

کر چکا ماتم جہاں کا جتنا کر سکتا تھا یہ
اب تو اس دل پہ مسلط بے حسی کا ہے طلسم

دامنِ وہ گل جیسں اتنے ہیں چھٹی ان کی یاد
یا فقط اشفاق ذوقِ آذری کا ہے طلسم

۷۰- گنج خوبی ملا حسین واعظ کاشفی ۲۶۶
۷۱- گلدستۂ عشق ؟ ۵۰
۷۲- گلشن اخلاق سید علی بن شیر علی افسوس ۱۳
۷۳- گلشن ہند باسط خاں ۱۱۲
۷۴- گلشن عشق محمد وارث (کذا) ۷۵
۷۵- گلزار دانش شیخ عنایت اللہ ۱۱۳
۷۶- حدیقۂ ہندی امین ؟ ۲۲۸
۷۷- ہفت گلشن ناصر علی خاں واسطی بلگرامی [illegible]
۷۸- ہشت پیکر نظامی گنجوی (؟) ۷۶
۷۹- حاتم طائی امام بخش (اپنیہ) ۲۲۲
۸۰- حیست القوی سید احمد قادری ۷
۸۱- حسن و عشق محمد وارث ۱۱۵
۸۲- اضطراب سلطانی ( ) ؟ ۷۷
۸۳- انشائے رتن محمد بخش مہجور ۲۱۸
۸۴- انتخاب سلطانیہ خلیل خاں اشک ۱۹
۸۵- اقبال نامہ غلام حسین خاں ۳۰
۸۶- جہانگیر شاہی شہنشاہ جہانگیر ۲۱
۸۷- جلوہ نامہ غلام حسین خاں ۸۸
۸۸- جنگ نامہ محمد حنیف غلام نبی ۹۷
۸۹- جامع الاخلاق جلال الدین محقق دوانی ۱۴
۹۰- جذب عشق حسین شاہ ۱۱۷
۹۱- خازن عصمت اللہ انیخ ۲۵۴
۹۲- خوان نعمت حمید الدین بہاری ۳۰
۹۳- خرد افروز ابو الفضل ۱۱۸
۹۴- خود نوشت سوانح ناسخ ناسخ ۹۰۴
۹۵- خلاصۂ سلطانی غلام احمد ۵
۹۶- کلیات انشا انشاء اللہ خاں انشا ۲۷۴
۹۷- کلیات جعفر زٹلی جعفر زٹلی ۷۷ الف
۹۸- ” جرأت شیخ قلندر بخش جرأت ۲۳۳
۹۹- ” ” ” ۶۶
۱۰۰- ” میر حسن میر حسن ۹۶۷
۱۰۱- ” میر تقی میر میر تقی میر ۹۵
۱۰۲- ” ” ” ۹۹۶
۱۰۳- ” رفعت شاہ رؤف احمد رفعت ۲۹۰
۱۰۴- ” سودا مرزا محمد رفیع سودا ۹۲۲
۱۰۵- ” شاکر عنایت علی شاکر ۷۹۳
۱۰۶- مذہب عشق شیخ عزت اللہ ۱۱۹
۱۰۷- مجموعہ ؟ ۷۹۳
۱۰۸- مجموعۂ مناقب ؟ ۲۲۷
۱۰۹- مجموعہ رسائل مذہبیہ ؟ ۲۲۳
۱۱۰- منظوم مقدس شاہ عالم ثانی آفتاب ۸۲
۱۱۱- MATERIA MEDICA ؟ ۲۶۲
۱۱۲- مثنوی بے نظیر میر حسن ۱۸۳
۱۱۳- ” ناصری ناصری ۸۳۷
۱۱۴- منظر العجائب منشی فخر الدین ۷۹۶
۱۱۵- مثنوی بے نظیر میر حسن ۸۵
۱۱۶- مفرح القلوب منظوم مفتی تاج الدین ۸۷
۱۱۷- محیط دانش ملا حسین کاشفی ۲۷۴
۱۱۸- منتخب الفوائد محمد منصور سعید ۱۲۰
۱۱۹- نو طرز مرصع امیر خسرو (؟) ابو القرب خلیق ۱۲۲
۱۲۰- نثر بے نظیر میر حسن ۱۲۱
۱۲۱- نشاط العشق شاہ حبیب اللہ قادری ۸
۱۲۲- پدماوت ملک محمد جائسی ۹۵
۱۲۳- ” ” ۹۷
۱۲۴- پھول بن ابن نشاطی ۸۰
۱۲۵- پوتھی سسندر سنگار ؟ ۹۶
۱۲۶- قصائد مرزا محمد رفیع سودا ۹۷
۱۲۷- قواعد اردو ؟ ۹۱۳
۱۲۸- قصہ بہرام و گل اندام ؟ ۹۸
۱۲۹- قصہ بلند اختر میں مثنوی
در احوال کلکتہ نور خاں ۱۲۳
۱۳۰- قصہ دل آرام و دلربا محمد تراب ۱۲۴
۱۳۱- ” فیروز شاہ ؟ ۱۲۵
۱۳۲- ” گل و ہرمز حسن و عشق محمد وارث ۷۷۱
۱۳۳- ” خسروان عجم منشی قدیم ۲۲۵
۱۳۴- ” لعل و گوہر ؟ ۱۳۲
۱۳۵- ” ماہ پیکر ؟ ۹۹
۱۳۶- ” رضوان شاہ خلیل علی خاں اشک ۱۲۶
۱۳۷- ” ترکی ؟ ۲۱۶
۱۳۸- ” طوطی نامہ ضیاء الدین نخشبی ۱۰۰
۱۳۹- ” یوسف زلیخا نذر علی ۷۷۸
۱۴۰- رامائن ؟ ۲۳۰
۱۴۱- رسالہ عقائد منظوم ؟ ۱۰۳
۱۴۲- ” در بیان دینیات شیو چند کرم داد ۳۳
۱۴۳- ” در ہندی خواجہ گیسو دراز ۲۷۴
۱۴۴- ” راگ ؟ ۳۱
۱۴۵- ” طب ؟ ۲۷۹

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

خلیل الرحمن اعظمی

سخن در سخن

خلیل الرحمن اعظمی صاحب ادبی مسائل پر تازہ مطبوعات پر ۱۹۷۹ء سے اس عنوان کے تحت لکھا کریں گے۔

(ادارہ ہماری زبان)

اب سے چار پانچ سال پہلے خورشید احمد جامی کا پہلا مجموعۂ کلام "رخسارِ سحر" شائع ہوا تھا۔ میری یہ کچھ عادت سی ہو گئی ہے کہ اردو زبان میں شائع ہونے والے ہر شعری مجموعے پر ایک نظر ضرور ڈال لیتا ہوں خواہ یہ شعری مجموعہ مجھے کسی لائبریری میں ملے یا کسی دوست یا واقف کار کے بک شیلف میں رکھا ہو یا کتابوں کی کسی دوکان پر نظر آ جائے۔ پیش لفظ، دیباچہ، مقدمہ، شاعر کے حالات، فلیپ پر کسی نقاد کی رائے وغیرہ میں پہلے نہیں دیکھتا بلکہ کتاب کو کہیں بیچ سے پڑھنا شروع کر دیتا ہوں۔ اگر شاعر کا کلام مجھے اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو پھر پوری کتاب پڑھنے کی تمنا ہوتی ہے اور اس کے آگے پیچھے لگی ہوئی نثر تحریروں کی بھی ورنہ بصورت دیگر مجھے اور کوئی چیز اس کتاب کے مطالعے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ "رخسارِ سحر" کو بھی میں نے پہلی بار دیکھا تو کچھ یہی صورت حال تھی۔ بیچ بیچ سے صفحے الٹتا جاتا تھا اور اس قسم کے اشعار پر ٹھہر کر سوچنے لگتا:

پہچان بھی سکی نہ مری زندگی مجھے
اتنی روا روی میں کہیں سامنا ہوا

کہیں ملے تو ذرا میکدے میں لے آؤ — کہ روشنی کی ضرورت ہے زندگانی کو

تھک کے بیٹھی ہے گردش دوراں — ساتھ چلتی تھی خاکساروں کے

کچھ دور آؤ موت کے ہمراہ بھی چلیں — ممکن ہے راستے میں کہیں زندگی ملے

جامی کے اس نوع کے اشعار پڑھ کر میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ یقیناً کوئی نیا شاعر ہے، اس کا تعلق نوجوان شعرا کی اس نسل سے معلوم ہوتا ہے جس کے ذہن کی نشو و نما ۱۹۴۷ء کے بعد ہوئی ہے۔ اس نے اپنے کلاسیکی ادب کا مطالعہ ضرور کیا ہے اور اردو غزل کی بہترین روایات اپنے اندر جذب کی ہیں لیکن یہ روایتی شاعر نہیں معلوم ہوتا۔ یہ غزل گو شعرا کے اس قبیلے سے بھی تعلق نہیں رکھتا جس نے اپنی تربیت کے پردے میں غزل گو جگر مرادآبادی سے اثر قبول کیا تھا مثلاً شکیل بدایونی، خمار بارہ بنکوی، ماہر القادری وغیرہ البتہ کہیں کہیں فیض اور مخدوم کے متغزلانہ لہجے کی پرچھائیں ضرور دکھائی دی۔ میں نے یہ مجموعہ شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا۔ بعد میں مخدوم کا لکھا ہوا پیش لفظ دیکھا تو معلوم ہوا کہ جامی تو خاصے پرانے اور پختہ کار شاعر ہیں۔ سنہ پیدائش ۱۹۱۵ء ہے اور شعر کے کوئی دس گیارہ مجموعے اور سات سو سے زیادہ غزلیں اتلاف کر چکے ہیں اور ۱۹۵۵ء سے نئی غزل کہنی شروع کی۔

جامی سے متعلق یہ باتیں مجھے بڑی دلچسپ معلوم ہوئیں۔ جس عمر میں انھوں نے "نئی غزل" کہنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کیا وہ عام طور پر اردو شعرا کے لیے "توبہ و استغفار" یا "ترک شعر" کی منزل ہوتی ہے یا اپنے پچھلے سرمائے کا سود در سود وصول کرنے کا زمانہ اور قسم کے اپنے آپ کو "مستند" کہلوانے پر زیادہ وقت صرف کرتے ہیں اور نئے شعری رجحانات کو گمرہی اور بے راہروی سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ جھلاتے ہیں یہ دیکھ کر کہ آج کے نوجوان شاعری کا ستیاناس کر رہے ہیں اور نہ جانے کس قسم کی خرافات کو شاعری کا نام دے رہے ہیں۔ حقیقی شاعری کا دور تو گویا ان کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اس قسم کی باتیں اب جہاں کہیں سنتا ہوں جامی کی یاد فوراً آ جاتی ہے۔ جامی نے صرف نئی غزل کہنے کی ٹھانی نہیں کی واقعی نئی غزل کہہ کر دکھائی اور نئے لہجے سے انھوں نے اب اس طرح رشتہ جوڑ لیا ہے کہ بلا شبہ انھیں غزل کے تازہ ترین رجحانات سے وابستہ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ ان کا دوسرا مجموعۂ کلام "برگِ آوارہ" جو ابھی چند ماہ قبل شائع ہوا ہے اس کی غزلیں اس امر کا بیّن ثبوت ہیں:

وقت کی دھوپ ہے اور دور کا لمبا رستہ
زندگی سوچ کے سائے میں کھڑی ہے تنہا

طنز کے تیر نہ دشنام کے پتھر آئے
کیا قیامت ہے کہ یہ شہر بھی صحرا نکلا

سعادت نظیر

کرسمس

کھلی زمیں پہ یہ کلیاں شگفتگی دیکھو — نظر اٹھاؤ ستاروں کی روشنی دیکھو
فضا میں گھومتے پھرتے ہیں شوخ سیارے — تلاش میں ہیں نظر کی حسین نظارے
انوکھی شان سے یہ پاس سرکتے ہیں — ہزار رنگ کے غبارے اڑتے جاتے ہیں
خوشی مناؤ "کرسمس" کی عید آئی ہے — ہزار طرح کی خوشیوں کو ساتھ لائی ہے
مسیح جن کا لقب اور "عیسیٰ" جن کا نام — سلام ان پہ ہمارا کہ ان کا فیض تھا عام
انھیں کے فیض سے بیماروں نے شفا پائی — سکون دل کا ملا، درد کی دوا پائی
انھوں نے ذروں کو سورج کی شان بخشی تھی — خدا کے حکم سے مُردوں کو جان بخشی تھی
ہوا انھیں سے بلند اور آدمی کا مقام — ملا انھیں سے زمانے کو زندگی کا پیام
نہ پوچھ مجھ سے صلہ کیا دیا زمانے نے — صلیب پر انھیں لٹکا دیا زمانے نے
انھیں اٹھانا پڑا دل پہ زخم حق کے لیے — لہو کی سرخی ضروری تھی کچھ شفق کے لیے
جنم دیا تھا انھیں آج رات مریمؑ نے — خوشی منائی تھی مل جل کے ایک عالم نے
اسی خوشی کی ہے اک یادگار آج کی رات — خوشی مناؤ کہ ہے خوشگوار آج کی رات
چمن دلوں کے کھلاتے ہیں خوش نما تحفے — بہار اپنی دکھاتے ہیں دل ربا تحفے
بڑوں کے ساتھ گھروں سے نکلتے ہیں بچے — کھلونے پا کے خوشی سے اچھلتے ہیں بچے
ہر ایک سینے میں ارمان کیا مچلتے ہیں! — کہ سارے شہر میں گھی کے چراغ جلتے ہیں

کہیں اندھیرا نہیں، ہر طرف اجالا ہے
سحر قریب ہے سورج نکلنے والا ہے

ات بھر غم کے پہاڑوں سے اتر آتی ہے
پھر زمانے میں چلی دور کے خوابوں کی ہوا

ینہ خواں ہے خود اپنی ہی تمناؤں کا
غم کی مٹھی میں پگھلتا ہوا اک اک لمحہ

وگ کہتے ہیں سیاہی کے سمندر میں کہیں
دور بھی ایک چمکتا ہوا دن ڈوب گیا

ل کی راہوں میں رُکے سب کو پکارا لیکن
کوئی دروازہ نہ ہوا کوئی دریچہ نہ کھلا

تھارے درد کو سورج کہا ہے | نیا اسلوب غزلوں کو دیا ہے
ہت کچھ جو کتابوں میں نہیں تھا | وہ چہروں کی لکیروں میں پڑھا ہے
دلِ دہشت زدہ زخمی ارادہ | تبسم بن کے لہراتا رہا ہے
سحر کے راستے میں سر اٹھائے | اندھیروں کا وہی پربت کھڑا ہے
نہ جانے منتظر کس معجزے کا | حسیں خوابوں کا لمبا سلسلہ ہے
بتاؤ نام بھی ہے کچھ تمہارا | مرا سایہ مجھی سے پوچھتا ہے

پنے بچھڑے ہوئے سورج کا خیال آتے ہی
سامنے وقت کے تاریک سمندر آئے

وگ پھرتے ہیں یہاں حرفِ ملامت کی طرح
زندگانی کا یقیں آئے تو کیوں کر آئے

کھرے دن کے ساتھ نکلا تھا کوئی | رات کے جنگل میں جا کر کھو گیا

وچوں کی دھول بھی تھی خیالوں کی بھیڑ بھی
برسوں خود اپنے آپ کو ہم ڈھونڈتے رہے

ہم سے کوئی جواب تو ان کا نہ بن پڑا
مجرم بنے ہوئے ہیں سوالوں کے سامنے

سمندروں کی طرح تھی دلوں کی تنہائی
قریب و دور کوئی شہر تھا نہ ساحل تھا

ہم ہیں اپنے وجود کا صحرا | کل بھی تنہا تھے آج بھی تنہا
یاد پڑتا ہے زندگی نے کہیں | نرم لہجے میں نام پوچھا تھا
راہ میں کون کس کو پہچانے | دور تک بے صدا دھندلکا سا
ہم بھی تھے روشنی کتابوں کی | کاش تم نے ہمیں پڑھا ہوتا
ہم سدا اپنے ہی شہر میں جامیؔ | عمر بھر خود کو اجنبی سمجھا

چمکا رہی ہے غم کے اندھیروں کو دور تک
کرنوں کی سیڑھیوں سے اترتی ہوئی صدا

جامیؔ کی غزل طرزِ احساس اور اسلوبِ اظہار دونوں اعتبار سے اپنے اندر ایسی تازگی رکھتی ہے جس کا اندازہ اس مجموعے کے ہر صفحے پر ہوتا ہے۔ ان غزلوں میں وہی کرب و اضطراب، وہی تجسس و تنہائی، وہی خوابوں کے دھندلکے، وہی آدرشوں کی شکست اور فرد کی گمشدگی ملتی ہے جو آج کے انسان کا مقدر ہے۔ جامیؔ نے فیض و مخدوم کی روایت سے بھی بہت جلد دامن چھڑا کر اپنا رشتہ تازہ ترین لہجے سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی علامتیں، استعارے، امیجری، نئے لفظی تلازمے اور بے تکلف اندازِ بیان انھیں ان شعرا سے بے حد قریب کر دیتا ہے جنھوں نے گذشتہ دس بارہ برسوں میں اردو غزل کو نیا رنگ و آہنگ دیا ہے۔ ان کی بعض غزلوں پر بھی غزلیت سے زیادہ نظمیت چھائی ہوئی ہے اس لیے ان میں ایک نئی فضا تو ملتی ہے لیکن اپنی جگہ پر بھرپور اور مکمل شعر کم ملتا ہے مگر یہ خصوصیت صرف جامیؔ کی ہی نہیں ہے یہ نئی غزل کی ایک عبوری منزل ہے، نئے لہجے کی دریافت میں یہ عمل کچھ ناگزیر سا ہے۔ امید ہے کہ جامیؔ اور دوسرے شعرا کچھ دنوں بعد اس لہجے کو اور زیادہ تہہ دار اور بلیغ بنائیں گے، اس وقت نئی غزل اپنے حقیقی معیار تک پہنچ سکے گی۔

ڈاکٹر سید حامد حسین

ای ایم، فارسٹر اور ان کی تصانیف

یکم جنوری ۱۹۹۹ء کو مشہور انگریزی ناول نگار ایڈورڈ مارگن فارسٹر اپنی ۱۲۰ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔ فارسٹر کا نام اردو دوستوں کے لیے تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انھیں یاد ہوگا کہ ۱۹۲۱ء میں جب فارسٹر کو حیدرآباد میں اردو ہال کی تعمیر کا علم ہوا تو انھوں نے اس کی تکمیل کے لیے ایک ہزار پونڈ کا عطیہ اس نوٹ کے ساتھ روانہ کیا تھا "گو میں نے کبھی اردو نہیں بولی، لیکن کیونکہ میں نے یہ زبان اپنے ایسے دوستوں سے سنی ہے جو میرے محبوب رہے ہیں اس لیے اسے گویا خود اپنی ہی زبان سمجھتا ہوں۔" فارسٹر کے ان دوستوں کی سرفہرست سر راس مسعود تھے جن کی دعوت پر فارسٹر ۱۹۱۲ء میں پہلی بار ہندوستان آئے تھے اور اسی زمانے میں وہ مشہور واقعہ پیش آیا تھا جب فارسٹر نے دہلی کے چاندنی چوک میں گھومتے ہوئے راس مسعود سے اردو کے سب سے اہم کلاسیکی شاعر کے بارے میں دریافت کیا تھا اور جب راس مسعود نے غالب کا تذکرہ کیا اور غالب کے اشعار کا ترجمہ سنایا تو فارسٹر نے غالب کے دیوان کا ایک نسخہ حاصل کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ لیکن جو مطبوعہ نسخے اس وقت دستیاب ہوئے وہ کاغذ اور طباعت کے لحاظ سے بہت معمولی تھے چنانچہ فارسٹر نے اس پر نہایت تعجب کا اظہار کیا اور راس مسعود سے کہا کہ تم جس شاعر کو اپنا بڑا شاعر کہتے ہو اس کا دیوان ایسے کاغذ پر چھاپا ہے جس سے ہم اپنا بدن صاف کرنا بھی پسند نہ کریں گے۔ فارسٹر کا یہی جملہ سر راس مسعود کے لیے دیوان غالب کا نفیس اڈیشن شائع کرنے کے واسطے ایک تحریک ثابت ہوا اور انھوں نے بڑے اہتمام کے ساتھ نظامی پریس بدایوں سے غالب کا وہ دیوان چھپوایا جس نے دیوان غالب کے پر تکلف اڈیشنوں کی طرح ڈالی۔

فارسٹر یکم جنوری ۱۸۷۹ء کو لندن میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم ٹون برج پبلک اسکول میں پائی بعد میں کیمبرج یونیورسٹی میں پہنچے جہاں انھوں نے انسان دوستی اور رواداری کا سبق سیکھا۔ ۱۹۰۱ء میں کیمبرج چھوڑنے کے بعد انھوں نے یونان اور اٹلی کی سیاحت کی۔ اس سیاحت نے ان کے ذہن پر ایک گہرا نقش پیدا کیا۔ انھیں اس کا شدید احساس ہوا کہ ان کے وطن کا زندگی کی جانب ایک ایسا محدود اور بے جان سماجی اصولوں میں جکڑا ہوا رویہ ہے جو انسان کے فطری جذبات اور جبلی تحریکات کے آزادانہ اظہار کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ چنانچہ ان کے ابتدائی تین ناولوں کا مرکزی خیال فطرت اور روایت کی یہی کشمکش ہے۔ فارسٹر کی پہلی ناول WHERE ANGELS FEAR TO TREAD ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئی۔ دوسری ناول THE LONGEST JOURNEY تھی جو دو سال بعد ۱۹۰۷ء میں شائع ہوئی اور اس کے بعد ۱۹۰۸ء میں فارسٹر نے A ROOM WITH A VIEW کے نام سے ناول شائع کی جو انھوں نے سب سے پہلے لکھنا شروع کی تھی۔ ۱۹۰۵ء میں فارسٹر کچھ عرصے کے لیے جرمنی گئے اور جرمنی کے قیام کے دوران ان کے ذہن پر جو اثرات مرتب ہوئے وہ ان کی چوتھی ناول HOWARDS END میں نمایاں ہیں جو کہ ۱۹۱۰ء میں چھپی۔ یہ ناول نقطۂ نظر اور فن کے لحاظ سے اس دور کی فارسٹر کی سب سے اچھی ناول ہے جو کہ ۱۹۱۰ء میں چھپی۔ یہ ناول نقطۂ نظر اور فن کے لحاظ سے اس دور کی فارسٹر کی سب سے اچھی ناول ہے۔ اس ناول میں فارسٹر نے زندگی کے خارجیت پسند اور داخلیت پسند پہلوؤں کے توازن پر زور دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تہذیب کی مادی فتوحات زندگی کی خارجیت پسند تحریکات کا نتیجہ ہیں جب کہ انسانوں کے باہمی تعلقات، ان کے درمیان محبت اور آپس میں ہمدردی داخلیت پسند قوتوں کے ذریعہ فروغ پاتے ہیں۔ عصر حاضر کی بیکلی اور ہلچل سے بھرپور زندگی میں انسانی فلاح کا ان کے نزدیک صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مادی ترقی اور انسانی اقدار میں توازن پیدا ہو اور انسان کی داخلی اور خارجی زندگی کے تقاضوں میں ایک سمجھوتہ ہو سکے۔

آخر ۱۹۱۲ء میں فارسٹر سر راس مسعود کی دعوت پر ہندوستان آئے اور انھوں نے نہ صرف اس ملک کے مختلف حصوں کی سیاحت کی بلکہ یہاں کی زندگی کو قریب سے دیکھا اور سمجھا یہاں تک کہ وہ اس کے گرویدہ ہو گئے۔ ایک ایسے دور میں جب کہ انگریز ہندوستان میں اپنے کو ایک برتر مخلوق سمجھتا تھا، فارسٹر کا ہندوستانیوں سے بے تکلفی کے ساتھ روابط پیدا کرنا ایک غیر معمولی بات تھی۔ ۱۹۱۳ء میں فارسٹر انگلستان واپس چلے گئے لیکن پہلی جنگ عظیم کے شروع ہونے کے بعد ایک بار پھر مشرق کی کشش انھیں اسکندریہ کھینچ لائی جہاں وہ ریڈ کراس سے منسلک رہے۔ پہلی جنگ عظیم نے ان کے ذہن پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ غیر رواداری اور بربریت کے اس مظاہرے نے فارسٹر کی عقلیت پسندی اور رواداری کے اعتقاد کو بڑا صدمہ پہنچایا اور جب ۱۹۲۱ء میں انھیں ایک بار پھر ہندوستان آنے کا موقع ملا تو وہ بلا تامل مہاراجہ دیواس کے پرائیویٹ سکریٹری کی حیثیت سے آ گئے۔ اس آٹھ نو مہینے کے قیام کے دوران انھیں نے ہندوستانی تہذیب کو اور قریب سے دیکھا اور جب یہاں سے واپس گئے تو اپنے ساتھ ایک نئی روشنی اور نیا اعتماد لے کر گئے۔ ہندوستان نے انھیں عقل کی بجائے دل پر بھروسہ کرنا سکھایا اور محبت کے رموز و اسرار سے واقف بنایا۔ زندگی کے اس نئے عرفان کا اظہار فارسٹر کی وہ معرکۃ الآرا تصنیف ہے جس کو عہد حاضر کی عظیم ترین ناولوں میں شمار کیا جاتا ہے A PASSAGE TO INDIA جس کا فارسٹر نے انتساب سر راس مسعود کے نام کیا تھا ۱۹۲۴ء میں شائع ہوئی۔ اس ناول میں پہلی بار ایک انگریز نے ہندوستان میں اپنے ہم وطنوں کے احساس برتری، ان کی غیر رواداری، ہندوستانیوں کی جانب ان کے غیر انسانی رویہ اور ان کی سیاسی حکمت عملی پر بڑی صاف بیانی کے ساتھ روشنی ڈالی۔ یہ پہلی انگریزی ناول تھی جس میں ہندوستانی زندگی کو ہمدردی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے لیکن

(باقی صفحہ ۱۱ کالم ۲ پر)

مراسلہ

گفتار

۲۲ نومبر سنہ ۷۸ء کے ہماری زبان میں ڈاکٹر عامث گرمانی صاحب نے رفتار کے کالم کے تحت جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس کے بارے میں ہم ادب کے ساتھ چند باتیں عرض کر دینا چاہتے ہیں۔

ہمارے فاضل مقالہ نگار نے جدید شاعری کا سلسلہ بیدل عظیم آبادی کی شاعری سے ملایا ہے ان کا خیال کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج کی جدید شاعری ان ہی خطوط پر گامزن ہے جس پر اس کو اول بیدل لے چلے تھے، صاحب موصوف نے بیدل کی شاعری کو مکشوفات و الہام کی شاعری کہہ کر ہماری دشواری آسان کر دی ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مذہبی امور ہوں یا خالص دنیاوی امور ہر جگہ مکشوفات اور الہام کا صرف یہ درجہ ہے کہ وہ ایک شخص کے اپنے احساسات ہوتے ہیں اور ان کا اجتماعی جذبات یا احساسات سے کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم بیدل کے اس فقرہ "شعر خوب معنی ندارد" کو صرف ان کا ایک کشف سمجھتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ کسی شخص کا کشف ساری دنیا یا دنیا کے بیشتر لوگوں کے لیے قابل قبول ہو اور وہ بھی اس بات کی صداقت پہ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح صاحب کشف ایمان لایا ہے مکشوفات کی دنیا بھی عجیب ہوتی ہے بقول جگر

جس نے جو عالم بنا ڈالا اسی کا ہو گیا

اگر مکشوفات کا ہماری روزمرہ زندگی میں کوئی درجہ ہوتا تو مجدد صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی آوازیں آج بھی ہمارے لیے نامانوس نہ ہوتیں۔ اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ ان ہر دو حضراتؒ نے اصلاح امت (بالفاظ دگر تجدید دین) کے لیے ایک عظیم الشان تحریک شروع کی تھی لیکن چونکہ ان حضرات کی تحریکات کی اساس عام تجربات انسانی پر نہ تھی بلکہ مکشوفات پر تھی اس لیے وہ عام امت مسلمہ پر اپنا کوئی دور رس اثر نہ چھوڑ سکی۔ یہ کشف کی اصطلاح جس موضوع (مذہبیات) سے تعلق رکھتی ہے اس کی دنیا میں تو اس کا یہ حال ہوا تو پھر یہ شے لطیف ادب کی دنیا میں کتنے قدم چل سکتی ہے؟ اس موقع پر ہم کو یہ بھی نہ بھولنا چاہیے کہ مکشوفات کی ایک قسم وہ بھی ہے جس کو "شطحیات صوفیا" کا نام دیا جاتا ہے۔ فقہا ہوں یا محدثین، مفسرین ہوں یا صاحبان علم کلام ہر طبقے اور ہر دور میں شطحیاتِ صوفیا سے صرف نظر کرتے رہے ہیں کیونکہ یہ صوفیا کا ایک ایسا تجربہ تھا جس سے ان کے دعوے کے مطابق کوئی دوسرا آگاہ ہو ہی نہیں ہو سکتا تھا اب اگر ہم جدید شاعری کو کشف کا درجہ دے کر شطحیات شعرا کو ڈھونڈنا چاہیں تو ہماری نگاہیں افتخار جالب، عادل منصوری، ظفر اقبال کومل، محمد علوی، عمیق حنفی، کمار پاشی، احمد ہمیش اور ان جیسے قبیل کے شعرا پر جا کر رکیں گی۔ یہ حضرات تو یہ کہہ کر اتمام حجت کر دیں گے کہ ذوق این بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی" لیکن جس طرح ایک محدث ایک مفسر، فقیہ اور صاحب علم کلام شطحیات صوفیا کی کسی تاویل سے مطمئن نہیں ہوتا اسی طرح اس دور کا کوئی بھی نارمل انسان ان شعرا کی شطحیات سے مطمئن نہ ہو سکے گا۔ اس لیے ہمارے خیال میں ان شعرا کی شاعری کو "ماورائے شاعری" سمجھ کر اس سے صرف نظر کر لیا جائے تو شاید جدید اردو شاعری کی تفہیم کے لیے آسان ہو جائے۔

اب یہاں سوال اٹھتا ہے کہ جدید اردو شاعری کیا ہے؟ ہمارا خیال ہے اس سوال کا سیدھا سادا جواب صرف یہ ہے کہ جدید اردو شاعری آج کے انسان اور اس کے مسائل کی عکاس ہے۔ ہمارے اس جملے سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ ہم شاعری کو انسان اور اس کے مسائل کی عکاس سمجھتے ہیں اور ہمارا یہ بھی خیال ہے کہ ہر دور کی شاعری اپنے دور کے انسان اور اس کے مسائل کی عکاس تھی، ہے اور رہے گی۔ آج کا انسان جس طرح کے مسائل سے دوچار ہے گذشتہ ادوار کا انسان اس سے ناآشنا تھا اس وجہ سے جب ہم آج کے شعرا کے اشعار کو گذشتہ ادوار کے شعرا کے معیار پہ جانچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ آج کی شاعری جن موضوعات سے متعلق ہے گذشتہ ادوار میں یا تو وہ موضوعات زیر بحث ہی نہ تھے یا اتنی شدت سے نہ محسوس کیے جاتے تھے اور یہی بات جدید شاعری کو گذشتہ ادوار کی شاعری سے الگ بھی کرتی ہے اور ممتاز بھی۔ لیکن اس موقع پر ہم کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہر بغاوت کسی نہ کسی روایت ہی کے بطن سے جنم لیتی ہے اور اس طرح تہذیبی تسلسل کا ارتقا قائم رہتا ہے۔ اب اگر اس نقطۂ نظر کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اشعار ذیل پر نظر ڈالی جائے تو ہم کو یہ اشعار نامانوس نہ معلوم ہوں گے ؎

عمر بھر کی نوا گری کا صلہ اے خدا کوئی ہم نوا ہی دے
(ناصر کاظمی)

یہ ایک ابر کا ٹکڑا کہاں کہاں برسے تمام دشت ہی پیاسا دکھائی دیتا ہے
فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں حدود وقت سے آگے نکل گیا ہے کوئی
(شکیب جلالی)

ہر لحظہ اضطراب ہے ہر لمحہ انتشار دل کا وہی ہے حال جو دنیا کا حال ہے
(حسن نعیم)

یہ شعروہ ہے کہ اتنا بھی غنیمت ہے اگر اپنے ہمراہ یہی خاک رواں رہ جائے
(ظفر اقبال)

شاخ سے ٹوٹ کے بے حرمت ہیں ویسے بھی حرمت تھے
ہم گرتے پتوں پہ ملامت کب موسم موسم نہ ہوئی
(ساقی فاروقی)

زماں مکاں کی حدیں کاٹ دیں گی دیکھ یہ قوت، اتنا کٹھن ہے کہ تنہا پہ تنہا چلیے

(محمود ایاز)

ساحل آب سراب ایک ہے منزل منزل تشنگی کرتی ہے غرقابِ سیراب مجھے

(شہاب جعفری)

تنگ غاروں میں نہیں آتی ہے کرنیں خود سے

روشنی کے لیے سایوں سے الجھنا ہوگا

(اطہر عزیز)

سوچتا ہوں کیا ہوا میرا بدن دھوپ نکلی ہے مگر سایہ نہیں

(مضمون الاختر)

چھوڑی ہے ان کی چاہ تو یا سب لگ رہا ہے یوں

جیسے میں اتنے روز اندھیرے میں قید تھا

(فضیل آذر)

جسم اک پھول ہے اور زیست ہے اڑتا ہوا رنگ

ہر نفس بوئے پریشاں ہے نہ جانے کیا ہو

(علیم افسر نازش بوہری)

ان اشعار کے نامانوس نہ معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اساس عام تجربات انسانی پر رکھی گئی ہے اس لیے یہ اپنی تمام جدت خیال اور ندرت ادا کے باوجود گزشتہ ادوار کی شاعری کی روایت سے ایک بظاہر نظر آنے والا ربط رکھتے ہیں اور اگر اس قبیل کی شاعری کو ہم واقعی جدید شاعری کہیں تو بیجا نہ ہوگا لیکن اگر اس رنگ کلام میں وہ رنگ کلام بھی ملا دیا جائے جس کو ہم نے شطحیات شعراء کا نام دیا ہے تو پھر جو شاعری عالم وجود میں آئے گی اس کا گزشتہ ادوار کی شاعری سے وہ ربط ٹوٹ جائے گا جو تہذیبی ارتقا کا ضامن ہے اور ہمارے تہذیبی ارتقا میں ایک ایسا خلا پیدا ہو جائے گا جو صدیوں میں پُر نہ ہو سکے گا۔

ہمیں ادبیات کے ایک استاد سے اس کی توقع تھی کہ وہ اپنے مقالے میں شطحیات شعراء کی طرف ضرور توجہ فرمائیں گے لیکن افسوس ہے کہ صاحب موصوف اس موضوع سے یونہی گزر گئے حالانکہ یہی وہ موقع تھا جہاں ان کو مثالیں دے کر یہ بتلا دینا چاہیے تھا کہ جدید شاعری کیا نہیں ہے؟ اسی بنا پر ہم کو یہ چند سطریں سپرد قلم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ شطحیات کو شاعری سے الگ کر کے، جدید شاعری کی قدر و قیمت متعین کی جا سکے۔

(کبیر احمد جائسی)

مناظر عاشق ہرگانوی

اخبار و رسائل میں غالب

(گزشتہ سے پیوستہ)

۶۷- غالب کا ایک شاگرد۔ محمد حسین محو۔ ڈاکٹر محمود الٰہی ۔۔۔ ۱۱ر نومبر ۶۲ء

۶۸- غالب کے یوم پیدائش کی تقریب کا افتتاح وزیر اعظم لال بہادر شاستری کریں گے۔ (بحوالہ الجمعیۃ دہلی) ۔ یکم دسمبر ۶۲ء

۶۹- محمد نادر علی برتر ۔ سید علی بن ایاز ۔ ابتدا برتر سالک کے شاگرد تھے جو غالب کے یادگار تھے۔ اس لیے ان کی طبیعت میں غالب کا رنگ رچا بس گیا تھا جس کی مثال بھی اس مضمون میں دی گئی ہے۔ یکم دسمبر ۶۲ء

۷۰- شمالیات غالب (مراسلہ از سید ناز) ۔ ۲۰ نومبر کے شمارے میں فیاض کے مراسلے کی تصدیق اور شعر کی تشریح ۔۔۔ یکم دسمبر ۶۲ء

۷۱- غالب کا ایک شاگرد محمد حسین محو (مراسلہ از سید فخر الحسن حیدرآباد) ۔ ۲۲ر دسمبر ۶۲ء

۷۲- تیری یادداشت (مراسلہ از مناظر عاشق ہرگانوی) ۔۔۔ ذوق کے نام اور نام کے ساتھ "خان" اور خطاب کے سلسلے میں غالب کی تحریر کا حوالہ ۔ یکم جنوری ۶۵ء

۷۳- غالب کی ایک نامکمل غزل کی تکمیل چند نو دریافت شعروں سے ۔۔۔ اکبر علی خاں (رامپور) ۔ ۸ر جنوری ۶۵ء

۷۴- پنجاب سرکار اردو زبان کے عظیم شاعر مرزا غالب کی یاد میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کرے گی ۔ (بحوالہ آواز ہند، بابا چھاؤنی) ۔ ۱۵ر جنوری ۶۵ء

۷۵- انجمن پٹیالہ کی سرگرمیاں ۔ یوم غالب ۔ بہیش پٹیالوی ۱۵ر جنوری ۶۵ء

۷۶- کلکتہ میں یوم غالب ۔ حلقۂ شبلی ۔ ۲۲ر جنوری ۶۵ء

۷۷- غالب کی برسی ۔۔۔ اداریہ ۔۔۔ ۱۵ر فروری ۶۵ء

۷۸- ادھوری یادداشتیں ۔۔۔ نادم سیتاپوری ۔۔۔ (۱) نسیم دہلوی اور مرزا غالب ۔ (۲) غالب کا ایک ادھورا خط ۔۔۔ یکم مارچ ۶۵ء

۷۹- سیر بین ۔ آل احمد سرور ۔ غالب کے اشعار سے مثال ۔ ۱۵ر مارچ ۶۵ء

۸۰- نہرو کے پسندیدہ اشعار ۔۔۔ (بحوالہ سیاست کانپور) مرزا غالب نہرو کے محبوب ترین شاعر تھے ۔۔۔ ۲۲ر مارچ ۶۵ء

۸۱- غالب اور سیاست ۔۔۔ نادم سیتاپوری ۔۔۔ ۲۲ر مارچ ۶۵ء

(باقی کالم ۱ پر)

بقیہ کالم ۲ سے آگے۔

۸۲- طوائے بے دود (مراسلہ از مناظر عاشق ہرگانوی)، غالب کے ایک شاگرد محمد حسین محو کی ایک تصنیف "طوائے بے دود" پر مزید تحقیق ۔۔۔ ۲۲ر مارچ ۶۵ء

(باقی آئندہ)

باقی صفحہ ۹ سے آگے

۱۴۶۔ ضمیر خاتمہ ؟ ۸۱۱
۱۴۷۔ ساقی نامہ نیاز ۸۴
۱۴۸۔ شاہ نامہ ابوالقاسم منصور فردوسی ۱۰۱
۱۴۹۔ " ہندی " ۲۲
۱۵۰۔ شاہ نامہ منشی ۱۰۴
۱۵۱۔ سنگھاسن بتیسی کاظم علی جوان ۱۳۶
۱۵۲۔ سورٹھا (دوہا) ملک محمد جائسی ۸۵
۱۵۳۔ سرساگر ؟ ۳۲
۱۵۴۔ تذکرۂ شعرائے اردو ؟ ۱۰۱۳
۱۵۵۔ تفسیر سورۂ یٰسین ؟ ۴۲۲
۱۵۶۔ تائید المسکین سید تصدق علی ۴۲۱
۱۵۷۔ تقویت الایمان شاہ اسماعیل شہید ۲۰۴
۱۵۸۔ تاریخ آسام شہاب الدین احمد تالش ۲۸
۱۵۹۔ تاریخ بھارت ہند موسوم بہ محاربہ عظیم کنہیا لال ۱۲۸
۱۶۰۔ " خیر میں ؟ ۱۳۲
۱۶۱۔ تاریخ ہند ؟ ۱۰۹
۱۶۲۔ تاریخ حیدری محمد جعفر استرآبادی ۲۳
۱۶۳۔ " رام پور ؟ ۲۴۰
۱۶۴۔ " شیر شاہ آباخان بن شیخ ۲۵
۱۶۵۔ ترجمہ الف لیلیٰ ولیلہ ؟ ۲۶۸
۱۶۶۔ ترجمہ بہار دانش شیخ عنایت اللہ ۲۱۰
۱۶۷۔ " بھگوت گیتا ؟ ۱۴۳
۱۶۸۔ " بوستان (باغ سخن) سعدی ۱۲
۱۶۹۔ " کتاب نور الابصار سید ابراہیم ۲۱۹
۱۷۰۔ " مفتاح الصلوٰۃ فتح محمد محدث ۳
۱۷۱۔ " قرآن شریف ؟ ۱
۱۷۲۔ " تنبیہ ؟ ۱۰
۱۷۳۔ " تحفۂ شہاب الحسن ؟ ۱۰۷
۱۷۴۔ تصویر نور رضا حسین ۲۴۴
۱۷۵۔ تحفۃ العوام حاجی حسن علی ۲۴۰
۱۷۶۔ تحفۃ المراسلہ حبیب ۱۱
۱۷۷۔ طوطی نامہ ضیاء الدین النخشبی ۸۱
۱۷۸۔ واقعات اکبری ابوالفضل ۲۸
۱۷۹۔ واسوخت ؟ ۹۱۳
۱۸۰۔ یوسف زلیخا منظوم شیخ محمد امین ۱۰۸
۱۸۱۔ زبدۃ الخیال میر محمد تقی جعفری ۹۴۸

۱۔ بودھ پرکاش ؟ کوئی نمبر نہیں دیا ہے سبک نشان ۹۰.۹۰۰ لکھا ہے۔

۲۔ دیوان میر سوز میر سوز
۳۔ دیوان قبول میں مثنوی چہاردہ معصوم مہدی علی خاں قبول
۴۔ کلیات انشاء (اردو۔ فارسی) انشاء اللہ خاں انشاء
۵۔ " میر حسن میر حسن
۶۔ " مصحفی غلام ہمدانی مصحفی
۷۔ " سودا سودا
۸۔ " سراج سراج دکھنی
۹۔ قصۂ امیر حمزہ ؟
۱۰۔ " چہار درویش امیر خسرو (؟)
۱۱۔ شکنتلا ناٹک کاظم داس
۱۲۔ تذکرۂ شعرائے ہندی فتح علی حسینی گردیزی
۱۳۔ تاریخ اصغری اصغر حسین
۱۴۔ تاریخ برہان پور خلیل الرحمان

نیشنل لائبریری آف انڈیا، کلکتہ

۱۔ دیوان گویا فقیر محمد خاں گویا ۸۰ B.C/ N40
۲۔ " زحمت شیخ زحمت اللہ 916 "
۳۔ " جویا محمد حسین علی خاں 8.C/ "
۴۔ فتوح الشام واقدی "
۵۔ کلیات حیشی طالب علی خاں حیشی 425 "
۶۔ مخزن دستور الہند دیت نانک چند "
۷۔ عقل اور اردو نواب نصیر حسین خاں خیال 52.F/11 "
۸۔ قصہ چہار درویش امیر خسرو (؟) 8.C/ "
۹۔ شمس البیان مرزا جان طپش "
۱۰۔ تفسیر مرتضوی غلام مرتضیٰ 1.C/14 "
۱۱۔ ترجمہ حق الیقین جعفر شاہ 6.C/ "
۱۲۔ طاعون کا یقینی دفعیہ نبی بخش 3.6 (b) 5/ .07 "

غالب صد سالہ برسی کمیٹی انجمن ترقی اردو مغربی بنگال

کا عظیم الشان پروگرام

تاریخ :- ۸ ر مارچ ۱۹۶۹ء تا ۱۲ ر مارچ ۱۹۶۹ء

مقام :- رانجی اسٹیڈیم / پارک سرکس میدان

تقریبات کی چند جھلکیاں

(۱) اشاعت کتب :- غالب پر مضامین کا مجموعہ اور کلام غالب کا بنگلہ ترجمہ۔

(۲) مشاعرہ :- ہندوستان کے نامور شعرا کا اجتماع اور کل ہند مشاعرہ۔

(۳) سیمینار :- اردو اور دیگر زبانوں کے مقامی اور غیر مقامی ارباب دانش کا اجتماع اور غالب کی شخصیت اور فن پر مقالے مباحثے اور تقاریر۔

(۴) نمائش :- غالب کی تصانیف اور غالب سے متعلق تصانیف اور مخطوطات کی نمائش۔

(۵) تمثیلی مشاعرہ اور ڈرامہ۔

(۶) نغمہ سرائی :- غالب کے کلام کو ماہر اور ممتاز فلمی اور دوسرے موسیقاروں کے ذریعہ پیش کرنا۔

(۷) انعامی مقابلے :- غالب سے متعلق اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے طلبہ کے درمیان مضمون نویسی، تقاریر اور بیت بازی کے انعامی مقابلے۔

(۸) اردو کے طلبہ کو یادگار غالب وظیفے۔

(۹) کلکتہ میں غالب ہال کی تعمیر۔

(۱۰) سووینیر کی اشاعت۔

(۱۱) یادگار غالب راستے اور مقامات :- کسی مشہور شاہراہ کا نام غالب کے نام پر رکھوانا، ایلیٹ ہاسٹل کا نام غالب کے نام پر رکھوانا، کلکتہ مدرسہ اور ممکن ہو تو غالب کی قیام گاہ پر تختی نصب کروانا۔

(کلکتہ کارپوریشن نے راستے کا نام بدلنے کی تجویز کو عملی طور پر منظور کر لیا ہے۔ دیگر کوششیں جاری ہیں)

(۱۲) یادگار غالب میلہ۔

شہر کی مقتدر ہستیوں، مختلف زبانوں کے نامور ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور سرگرم کارکنوں پر مشتمل غالب صد سالہ برسی کمیٹی ان مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے جد و جہد کر رہی ہے۔

تمام اردو دوستوں اور غالب نوازوں سے ہماری اپیل ہے کہ مجلس استقبالیہ کے ممبر بنیں، اس کی سرپرستی قبول فرمائیں، عطیات سے نوازیں، یادگار مجلے کے لئے اشتہارات عنایت کریں اور اپنی شرکت سے ان تقاریب کو کامیاب بنائیں۔

اعزاز افضل

سکریٹری نشر و اشاعت کمیٹی

باقی صفحہ ۲ سے آگے

اس ناول کی اہمیت صرف اس کے تاریخی پس منظر تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ ناول عصری مسائل سے بالاتر ہو کر انسان کی تلاش حق میں سرگردانی کی ایک داستان بن گئی ہے۔ اس ناول میں اپنے بلیغ رمزیہ انداز کے ذریعہ فارسٹر نے ناول کے اسلوب کو ایسی نئی وسعتوں اور گہرائیوں سے روشناس کرایا ہے جو ناول کے فن میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

گذشتہ ۴۰ سال کے دوران فارسٹر نے کوئی ناول نہیں لکھی لیکن انھوں نے اپنی پانچ ناولوں اور مختصر افسانوں کے ایک مجموعے کے ذریعہ ہی اس صدی کے انگریزی ادب میں ایک ممتاز جگہ پیدا کر لی ہے۔ فارسٹر کی دوسری تصانیف میں ان کے مختصر مضامین کے دو مجموعے شامل ہیں جو ABINGER HARVEST اور TWO CHEERS FOR DEMOCRACY کے نام سے ۱۹۳۶ اور ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئے۔ آخر الذکر مجموعہ میں فارسٹر کے وہ مضامین بھی شامل ہیں جو انھوں نے ڈاکٹر اقبال اور سر راس مسعود پر لکھے ہیں۔ فارسٹر اپنے ان خطوط کا بھی ایک مجموعہ شائع کر چکے ہیں جو انھوں نے ۱۹۱۲ء اور ۱۹۲۱ء میں ہندوستان کے قیام کے دوران لکھے تھے۔ یہ THE HILL OF DEVI کے نام سے ۱۹۵۳ء میں چھپے ہیں۔ ان کی دو سوانحی تصانیف بھی ہیں ان میں سے ایک ان کے استاد اور دوست G. L. DICKINSON پر ہے اور دوسری ان کی دادی کی بہن MARIANNE THORNTON سے متعلق ہے۔ یہ کتابیں ۱۹۳۴ء اور ۱۹۵۶ء میں چھپی ہیں۔ ان کے علاوہ انھوں نے اسکندریہ کے قیام کے دوران جو مضامین لکھے تھے وہ بھی PHAROS AND PHARILLON کے نام سے ۱۹۲۳ء میں شائع ہو چکے ہیں۔

فارسٹر ہندوستان سے اپنے لگاؤ کے اظہار میں ہمیشہ پرجوش رہے ہیں۔ انھیں ہندوستانی طرز زندگی، ہندوستانی تفریحات، ہندوستانی تمدن سے جو گہری دلچسپی رہی ہے وہ جابجا ان کی تحریروں سے واضح ہے۔ چند سال قبل جب شانتا راما راؤ نے A PASSAGE TO INDIA کو ڈرامائی روپ دیا تو فارسٹر نے اس کو بڑے خلوص کے ساتھ سراہا اور اس کے لئے خود پروگرام نوٹ لکھا۔ فارسٹر کی یہ ناول آج انگریزی کی سب سے زیادہ مقبول ناولوں میں سے ہے۔ کچھ سال ہوئے PENGUIN BOOKS چھاپنے والے مشہور انگریزی ادارے نے جو اعداد و شمار شائع کئے تھے اس کے مطابق اس ادارہ نے سب سے زیادہ جس کتاب کو چھاپا اور فروخت کیا تھا وہ فارسٹر کی یہی ناول تھی لیکن افسوس کی بات ہے کہ یہ کتاب جو اب تک دنیا کی تقریباً بیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے ابھی تک ہندوستان کی کسی زبان میں منتقل نہیں ہوئی ہے۔ جن دو ایشیائی زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ عربی اور جاپانی ہیں۔

اردو گھر فنڈ

اردو گھر فنڈ ۵ار دسمبر ۱۹۷۶ء تا ۳۱ر دسمبر ۱۹۷۶ء

نمبر شمار	نام و مقام متعلق	رقم چندہ	تاریخ ترسیل	ذریعہ وصول	کیفیت
۱	جناب ابوالخطیب الرشید خاں، رضیہ منزل	۱۰—۰۰		منی آرڈر	خود
۲	بیگم المظفر ... محلہ ...	۵—۰۰		〃	〃
۳	محمد شفیق ...	۱—۰۰		〃	〃
۴	... اردو ... شیوپور بہروڑہ	۵—۰۰		〃	
۵	〃 ... سنگھ	۲—۰۰		〃	
۶	〃 ... محمد حسام الدین ...	۲—۰۰		〃	
۷	〃 شفیق ... پرشاد	۱—۰۰	〃	〃	
۸	〃 ... گپتا	۱—۰۰	〃	〃	
۹	〃 نور ... علی	۳—۰۰	〃	〃	
۱۰	〃 ایچ۔ ...	۱—۰۰	〃	〃	
۱۱	〃 ... شاہ ... ودیا	۲۰—۰۰	〃	〃	
۱۲	〃 ...	۱—۰۰	〃	〃	
۱۳	〃 ایس۔ ...	۱—۰۰	〃	〃	
۱۴	〃 اے ...	۱—۰۰	〃	〃	
۱۵	〃 ایس۔ ...	۱—۰۰	〃	〃	
۱۶	〃 ... جی	۱—۰۰	〃	〃	
۱۷	〃 محمد ... خلیل احمد	۲—۵۰	〃	〃	
۱۸	〃 انوری خاتون	۲—۰۰	〃	〃	
۱۹	〃 ... تبسم	۱—۰۰	〃	〃	
۲۰	جناب ...	۱—۰۰	〃	〃	
۲۱	〃 ...	۱—۰۰	〃	〃	
۲۲	〃 ... یاسین	۱—۰۰	〃	〃	
۲۳	جناب عبدالمجید	۱۰—۰۰	〃	〃	
۲۴	〃 انور علی	۱—۰۰	〃	〃	
۲۵	〃 عبدالرحیم خاں	۱—۰۰	〃	〃	
۲۶	〃 محمد ابراہیم خاں	۱—۰۰	〃	〃	
۲۷	〃 عبدالرشید	۱—۰۰	〃	〃	
۲۸	〃 نجیب الرحمن	۱—۰۰	〃	〃	
۲۹	〃 شمس الدین خاں	۱—۰۰	〃	〃	
۳۰	〃 محمد منصور الشارق	۱—۰۰	〃	〃	
۳۱	〃 محمد ضیاء الدین خاں	۱—۰۰	〃	〃	
۳۲	〃 سید الشد	۲—۰۰	〃	〃	
۳۳	〃 عبدالوحید خاں	۱—۰۰	〃	〃	
۳۴	〃 عبدالستار	۲—۰۰	〃	〃	
۳۵	〃 عبدالشکور	۲—۰۰	〃	〃	
۳۶	〃 محمد سہراب	۱—۰۰	〃	〃	
۳۷	〃 محمد نظام	۲—۰۰	〃	〃	
۳۸	〃 محمد مقتدی	۱—۰۰	〃	〃	
۳۹	〃 ایم عمر شریف	۱—۰۰	〃	〃	
۴۰	〃 مولوی محمد نصیر الدین	۲—۰۰	〃	〃	
۴۱	〃 ... محمد	۲—۰۰	〃	〃	
۴۲	〃 محمد یونس	۳—۰۰	〃	〃	
۴۳	〃 محمد قاسم حسین	۲—۰۰	〃	〃	
۴۴	〃 محمد سمیع اللہ	۱—۰۰	〃	〃	
۴۵	〃 محمد نظام الدین	۲—۰۰	〃	〃	
۴۶	〃 سہیل تنویر	۱—۰۰	〃	〃	
۴۷	〃 عبدالحق	۱—۰۰	〃	〃	
۴۸	〃 محمد اسمٰعیل	۱—۰۰	〃	〃	
۴۹	〃 محمد ذلیل الرحمن	۱—۰۰	〃	〃	
۵۰	〃 ... حنیف	۱—۰۰	〃	〃	
۵۱	〃 ممتاز علی ...	۲—۰۰	〃	〃	
۵۲	〃 زین العابدین	۱—۰۰	〃	〃	
۵۳	〃 محمد حسین	۱—۰۰	〃	〃	
۵۴	〃 شوکت علی	۱—۰۰	〃	〃	
۵۵	〃 لال محمد	۱—۰۰	〃	〃	
۵۶	〃 ... محمد	۱—۰۰	〃	〃	
۵۷	〃 حبیب اللہ محمد خلیل	۱—۰۰	〃	〃	
۵۸	〃 انیس حق	۱—۰۰	〃	〃	
۵۹	〃 محمد اسحاق	۱—۰۰	〃	〃	
۶۰	〃 محمد ادریس	۱—۰۰	〃	〃	
۶۱	〃 نثار احمد	۱—۰۰	〃	〃	
۶۲	〃 عبدالرشید	۱—۰۰	〃	〃	
۶۳	〃 محمد شہاب الدین	۱—۰۰	〃	〃	
۶۴	〃 منظور الحق	۱—۰۰	〃	〃	
۶۵	〃 شیخ یعقوب الفاروقی	۱—۰۰	〃	〃	
۶۶	〃 جی۔ ایچ۔ الفاروقی	۱—۰۰	〃	〃	
۶۷	〃 بشیر احمد	۱—۰۰	〃	〃	
۶۸	〃 ... احمد	۱—۰۰	〃	〃	
۶۹	〃 محمد الیاس	۱—۰۰	〃	〃	
۷۰	〃 ایس۔ ایم قمر الدین	۱—۰۰	〃	〃	
۷۱	〃 اکرم علی	۱—۰۰	〃	〃	
۷۲	〃 محمد محی الدین	۱—۰۰	〃	〃	
۷۳	〃 محمد انور	۱—۰۰	〃	〃	
۷۴	〃 محمد امین	۱—۰۰	〃	〃	
۷۵	〃 محمد یوسف	۱—۰۰	〃	〃	
۷۶	〃 ضیاء الرحمن	۱—۰۰	〃	〃	
۷۷	〃 سید شفیع الدین ربانی	۱—۵۰	〃	〃	
۷۸	〃 محمد عثمان	۱—۰۰	〃	〃	
۷۹	〃 شیخ محمد یعقوب	۱—۰۰	〃	〃	
۸۰	〃 نورحسن	۱—۰۰	〃	〃	
۸۱	〃 خالد منصور	۱—۰۰	〃	〃	
۸۲	〃 محمد قاسم	۱—۰۰	〃	〃	
۸۳	〃 ... فرید صاحب رشید گنج جبل پور	۱۱—۰۰		〃	خود
۸۴	منجانب طلبہ ٹرنی ورنا ہائر سکنڈری اسکول ... گنج بہار	۱۴—۰۰		〃	معرفت جناب ... ایوب ندوی
۸۵	ڈاکٹر ... خاں ... ضلع کلابہ	۲۵—۰۰		〃	
۸۶	زین الدین سیف الدین مقدم کولتھرا ضلع رتنا گیری	۵—۰۰		〃	
۸۷	عبدالغفور ابراہیم مقدم کوتھرا ضلع رتنا گیری	۵—۰۰		〃	
۸۸	ابراہیم علی ... تعلقہ داپولی	۱—۰۰		〃	
۸۹	عمر ابراہیم 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۰	حسن عبدالغنی 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۱	قاسم یعقوب ... 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۲	حسن نقی 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۳	عثمان یعقوب ... 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۴	علی زین الدین ... 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۵	عبدالحمید شیخ اسماعیل 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۶	عمر صاحب ابراہیم 〃	۱—۰۰	〃	〃	
۹۷	غفور شہاب الدین 〃	۱—۰۰	〃	〃	

معرفت جناب ایم۔ اے۔ قاسم (علیگ) سکریٹری ادارہ فروغ اردو ... شیوپور بہروڑہ (نمبر ۴ تا ۴۹)

معرفت جناب ایم۔ اے۔ قاسم (علیگ) سکریٹری ادارہ فروغ اردو ... شیوپور بہروڑہ (نمبر ۵۰ تا ۸۲)

معرفت جناب ... صاحب داپولی (نمبر ۸۵ تا ۹۷)

میزان حال ۱۹۲—۰۰
〃 سابق ۹۰۵۴—۲۵
〃 کل ۹۲۴۶—۲۵

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید ضیاء علی نے ... پریس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا